علمائے کرام کا وٹس ایپ گروپ

بزم علماء والأئمہ

03345613913

آج کل غیر مقلد ٹولہ کی جانب سے یہ وسوسہ دیا جارہا ہے کہ "میت کی طرف سے کی جانے والی قربانی نہیں ہوتی" اور نہ ہی اس کا ثواب میت کو پہونچتا ہے۔
رسالہ ہذا میں اس مسئلہ پر دلائل و براہین پیش کیے گیے ہیں

میت کی طرف سے کی جانے والی قربانی اور اس کے گوشت کا مسئلہ

از قلم:
حافظ محمود احمد عرف عبد الباری محمود

نظر ثانی:
ظفر احمد نعمانی

شعبہ نشر و اشاعت
ادارہ تحقیقات اہل السنۃ والجماعۃ (الهند)
محلہ محل، دار العلوم چوک، دیوبند، سہارنپور، یوپی
رابطہ بذریعہ واٹس ایپ:9322471046۔رابطہ بذریعہ ٹیلیگرام:9322471046
ٹیلیگرام چینل ایڈریس:https://telegram.me/idaratahqiqat

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میت کی طرف سے دی جانے والی قربانی اور اس کے گوشت کا مسئلہ

از قلم: حافظ محمود احمد عرف عبد الباری محمود
(شیوشاہی پر کلپ، گورے گاؤں ممبئی)

الحمدللہ رب الغلمین والصلوۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔ اما بعد!

محترم قارئین! میت کی طرف سے قربانی کرنے کی دو حیثیتیں ہیں ایک یہ کہ میت قربانی کرنے کی وصیت کر گیا ہو۔ دوسرے یہ کہ میت نے وصیت نہیں کی، بلکہ اس کی طرف سے خود ہی قربانی کی جائے۔(جیسا کہ عموماً عید الاضحیٰ کے موقعہ پر لوگ اپنے والدین اور دیگر رشتہ داروں کی طرف سے قربانی کرتے ہیں) تو ان دونوں صورتوں میں قربانی کرنے کی دلیل موجود ہے۔

پہلی صورت: ۔۔۔کے متعلق حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی حدیث ہے:

عن حنش قال رأیت علیا ضحی بکبشین فقلت لہ ماھذا؟ فقال ان رسول اللہ ﷺ اوصانی ان اضحی عنہ فانا اضحی عنہ۔ (سنن الترمذی: ابواب الاضاحی' باب ماجاء فی الاضحیۃ عن المیت۔ سنن ابی داؤد: کتاب الضحایا' باب الاضحیۃ عن المیت')

[ترجمہ] ''حضرت حنش رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے دو دنبوں کی قربانی دی میں نے عرض کیا کہ یہ کیا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھے وصیت کی ہے کہ میں اُن کی جانب سے قربانی کروں! تو میں اُن کی جانب سے قربانی کیا کرتا ہوں''۔(ترمذی۔ ابو داؤد)

ایک اور روایت میں ہے کہ: عن حنش، قال: ضحی علی رضی اللہ عنہ عنہ بکبشین، کبش عن

النبی ﷺ و کبش عن نفسہ، وقال: امرنی رسول اللہ ﷺ ان اضحی عنہ فانا اضحی ابدا۔

[ترجمہ] ”حضرت حنش رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دو مینڈھے قربان کیا کرتے تھے، ایک مینڈھا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اور دوسرا مینڈھا اپنی طرف سے۔ اور کہا کہ: مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ میں ان کی طرف سے قربانی کروں لہٰذا میں یہ قربانی ہمیشہ کرتا رہوں گا“۔ (المستدرک علی الصحیحین: ج ۲ ص ۲۵۵ کتاب الاضاحی)

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

(ملاحظہ ہو: المستدرک علی الصحیحین: ج ۲ ص ۲۵۶ کتاب الاضاحی)

۲) حافظ ذہبی نے ان کی تائید کی ہے۔ ملاحظہ ہو: التلخیص بحوالہ المستدرک علی الصحیحین و ہامش المسند للشیخ احمد شاکر: ج ۲ ص ۱۵۲)

۳) مشہور مصری محدث احمد شاکر نے بھی اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

(ملاحظہ ہو: ہامش المسند للشیخ احمد شاکر: ج ۲ ص ۱۵۲)

فائدہ: ان روایات سے واضح ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے قربانی دیتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اس کی وصیت کی تھی۔

دوسری صورت:۔۔۔ کے متعلق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں ہے:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَمَرَ بِكَبْشٍ اَقْرَنَ يَطَأُ فِيْ سَوَادٍ وَيَبْرُكُ فِيْ سَوَادٍ وَيَنْظُرُ فِيْ سَوَادٍ فَاُتِيَ بِهٖ لِيُضَحِّيَ بِهٖ فَقَالَ لَهَا يَا عَائِشَةُ هَلُمِّي الْمُدْيَةَ ثُمَّ قَالَ اشْحَذِيْهَا بِحَجَرٍ فَفَعَلَتْ ثُمَّ اَخَذَهَا وَاَخَذَ الْكَبْشَ فَاَضْجَعَهٗ ثُمَّ ذَبَحَهٗ ثُمَّ قَالَ بِاسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَمِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ ثُمَّ ضَحّٰى بِهٖ۔ (مسلم)

[ترجمہ] ”بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سینگوں والا ایک مینڈھا لانے کا حکم دیا، جس کی کالی ٹانگیں اور پیٹ کالا ہو اور جس کی آنکھوں کے گرد کالے حلقے ہوں تاکہ وہ اس کی قربانی کر سکیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: مجھے ایک چھری دو اور ایک پتھر پر اس کی دھار لگاؤ حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ کر دیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاقو کو لیا، اور مینڈھے کو زمین پر لٹایا اور پھر یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے اُسے ذبح فرمایا: بسم اللہ ، اَللّٰھم تقبل من محمد و آلِ محمد و من امۃ محمد (یعنی اللہ کے نام کے ساتھ۔ اے اللہ! اس قربانی کو قبول فرما محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے اور آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے اور امتِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے)"۔

اور حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

کان رسول اللہ ﷺ اذا ضحی اشتری کبشین سمینین اقرنین املحین. فاذا صلی و خطب اتی باحدھما، وھو فی مصلاہ فذبحہ. ثم قال: اللھم ھذا عن امتی جمیعا من شھد لك بالتوحید وشھد لی بالبلاغ. ثم یؤتی بالآخر فیذبحه، ثم یقول: اللھم ھذا عن محمد وآل محمد۔ (مجمع الزوائد: ج ۴ ص ۲۱،۲۲ کتاب الاضاحی)

[ترجمہ] "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قربانی کرتے، دو فربہ سینگوں والے، چتکبرے مینڈھے خریدتے۔ پس جب آپ نماز اور خطبہ سے فارغ ہو جاتے تو عیدگاہ ہی میں ان دونوں میں سے ایک مینڈھے کو لایا جاتا، تو آپ اسے ذبح کرتے اور کہتے: اے اللہ! یہ میری امت کے ان سب لوگوں کی طرف سے ہے جنہوں نے آپ کی توحید کی گواہی دی اور میرے (پیغام الٰہی) پہنچانے کی شہادت دی۔ پھر دوسرے کو لایا جاتا، اور آپ اسے ذبح کرتے اور کہتے: یا اللہ! یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے ہے"۔

حافظ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اسے بزار نے روایت کیا ہے، احمد اور طبرانی نے بھی قریباً اسی طرح اسے روایت کیا ہے۔ اور احمد اور بزار کی سند حسن ہے"۔ (مجمع الزوائد: ج ۴ ص ۲۲ کتاب الاضاحی)

فائدہ: ان دونوں روایتوں سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری امت کی جانب سے قربانی کی تھی جس میں زندہ و وفات شدہ سبھی شامل ہیں۔

لہٰذا معلوم ہوا مرحوم کی طرف سے اس کی وصیت کے بغیر بھی قربانی (نفلی) کر سکتے ہیں۔

تنبیہ: بعض لوگ جن پر قربانی واجب ہوتی ہے، واجب قربانی اپنی جانب سے دینے کے

بجائے پہلی مرتبہ حضور ﷺ کے نام سے دیتے ہیں، اس کے بعد کے سال اپنے نام سے دیتے ہیں، تو ان کا ایسا کرنے سے ان کے ذمہ جو واجب قربانی ہے اس کو ترک کرنا لازم آتا ہے۔ اور واجب قربانی ترک کرنے سے گناہ لازم آئے گا۔ لہٰذا جس پر قربانی واجب ہوتی ہے وہ واجب ادا کرے اس کے بعد استطاعت ہو تو حضور ﷺ کے نام سے دے۔

مرحومین کی طرف سے کی جانے والی قربانی پر چند اعتراضات کے جوابات:

اعتراض[۱] بعض حضرات میت کی جانب سے کی جانے والی قربانی کو درست نہیں مانتے اور اعتراض کرتے ہیں کہ اس سلسلہ میں ایک بھی صحیح روایت موجود نہیں۔

اعتراض[۲] کہ اس بارے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو روایت موجود ہے وہ ضعیف ہے۔

اعتراض[۳] کہ جزا عمل کے تابع ہے یعنی جیسا عمل ویسی جزا۔ جَزَاءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ (بدلہ ہے اس کا جو وہ عمل کرتے تھے)۔ ''جزا'' میں عامل (عمل کرنے والا) کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ اور ''ثواب'' اللہ کا فضل و انعام ہے۔ عامل کو اس میں تصرف کا کوئی اختیار نہیں۔ یعنی اپنے عمل کے ثواب کو کسی دوسرے کے لیے ہدیہ یا ہبہ کرنے کا عامل کو کوئی حق نہیں ہے۔ آیاتِ ربانی ہے:

کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے (سورۃ النجم) اسی طرح فرمان رسول اللہ ﷺ ہے: انسان کے انتقال کے بعد اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے مگر تین عمل: صدقہ جاریہ، ایسا علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں اور نیک لڑکے کی دعا جو وہ اپنے والد کے لیے کرے۔ (ابن ماجہ۔ ابن خزیمہ)

اور ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ نبی ﷺ خاص میت کی طرف سے قربانی نہیں کرتے تھے بلکہ زندہ افراد کی طرف سے کرتے تھے جیسا کہ بخاری میں ہے اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی بیویوں کی طرف سے گائے ذبح کی۔ لہٰذا میت کی طرف سے قربانی نہیں کرنی چاہیے۔

اعتراض اول کا جواب: یہ ہے کہ میت کی طرف سے قربانی کے جواز پر صحیح حدیث موجود

ہے۔ چنانچہ مسلم شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ اَمَرَ بِكَبْشٍ اَقْرَنَ يَطَأُ فِي سَوَادٍ وَيَبْرُكُ فِي سَوَادٍ وَيَنْظُرُ فِي سَوَادٍ فَأُتِيَ بِهِ لِيُضَحِّيَ بِهِ فَقَالَ لَهَا يَا عَائِشَةُ هَلُمِّي الْمُدْيَةَ ثُمَّ قَالَ اشْحَذِيهَا بِحَجَرٍ فَفَعَلَتْ ثُمَّ اَخَذَهَا وَاَخَذَ الْكَبْشَ فَاَضْجَعَهُ ثُمَّ ذَبَحَهُ ثُمَّ قَالَ بِاسْمِ اللهِ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَمِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ ثُمَّ ضَحّٰى بِهِ۔

[ترجمہ] ”بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے سینگوں والا ایک مینڈھا لانے کا حکم دیا، جس کی کالی ٹانگیں اور پیٹ کالا ہو اور جس کی آنکھوں کے گرد کالے حلقے ہوں تاکہ وہ اُس کی قربانی کر سکیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: مجھے ایک چھری دو اور ایک پتھر پر اس کی دھار لگاؤ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ کر دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے چاقو کو لیا، اور مینڈھے کو زمین پر لٹایا اور پھر یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے اُسے ذبح فرمایا: بسم اللہ، اَللّٰھم تقبل من محمد و آلِ محمد و من امة محمد (یعنی اللہ کے نام کے ساتھ۔ اے اللہ! اس قربانی کو قبول فرما محمد (ﷺ) کی طرف سے اور آلِ محمد (ﷺ) کی طرف سے اور امتِ محمد (ﷺ) کی طرف سے)“۔

اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی امت کی طرف سے قربانی فرمائی اور آپ کی امت میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو آپ کی اس قربانی سے پیشتر وفات پاچکے تھے لہٰذا یہ حدیث میت کی طرف سے قربانی کے جواز پر صریح دلیل ہے۔ اور یہ حدیث مسلم شریف کی ہے اور اس کا مسلم شریف میں ہونا ہی اس کے صحیح ہونے کی دلیل ہے لہٰذا یہ کہنا کہ اس بارے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے کا دعویٰ رد ہے۔

اعتراض دوم کا جواب: یہ ہے کہ میت کی طرف سے قربانی کے جواز کے متعلق حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ”عن حنش، قال: ضحی علی رضی اللہ عنہ بکبشین کبش عن النبی ﷺ و کبش عن نفسه وقال: امرنی رسول الله ﷺ ان اضحی عنه فانا اضحی ابدا“ ثابت ہے اور اس کی سند صحیح ہے ضعیف نہیں۔

محدث امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ھذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ، وابو الحسناء ھذا ھو: الحسن بن الحکم النخعی صحیح۔

(ملاحظہ ہو: المستدرک علی الصحیحین: ج ۲ ص ۲۵۶ کتاب الاضاحی)

۲) حافظ ذہبی نے ان کی تائید کی ہے۔

(ملاحظہ ہو: التلخیص بحوالہ المستدرک علی الصحیحین: ج ۴ ص ۲۵۵۔ ہامش المسند للشیخ احمد شاکر: ج ۲ ص ۱۵۲)

۳) مشہور مصری محدث احمد شاکر نے بھی اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

(ملاحظہ ہو: ہامش المسند للشیخ احمد شاکر: ج ۲ ص ۱۵۲)

۴) امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے اور اس پر درج ذیل باب قائم کیا ہے: "باب الاضحیۃ عن المیت"۔ (دیکھیں: سنن ابی داؤد: کتاب الضحایا)

اور یہ بات بہت مشہور ہے کہ امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ کا کسی حدیث پر سکوت کرنا اس کے صالح للاحتجاج اور اس کا حجت ہونا ہے۔ (دیکھیں: النکت علی کتاب ابن الصلاح لابن حجر عسقلانی: ص ۴۳۵)

فرقہ اہلحدیث کے نامور غیر مقلد جلال الدین صاحب قاسمی نے تو اپنی کتاب "احسن الجدال بجواب راہ اعتدال" میں ایک حدیث کے تحت امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ کے سکوت کو حدیث کا صحیح ہونا قرار دیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

"(امام) ابو داؤد نے اس حدیث کو روایت کر کے سکوت کیا ہے، اور ان کا سکوت دلیل ہے کہ ان کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے"۔ (احسن الجدال۔۔۔: ص ۱۳۱)

لہٰذا معترضین کا یہ کہنا کہ میت کی طرف سے قربانی کے جواز کے متعلق حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ضعیف ہے کا دعویٰ رد ہے۔

محترم قارئین! دوسری بات یاد رکھنے کی یہ ہے کہ میت کی طرف سے قربانی کرنا (بغیر اس کی وصیت کے) مباح یا مستحب میں سے ہے اور مباح و مستحب کے لیے ضعیف حدیث بھی کافی ہے۔

(چنانچہ علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں: الاستحباب یستحب بالضعیف غیر الموضوع۔

"منگھڑت کے علاوہ ضعیف سے استحباب ثابت ہوتا ہے"۔(دیکھیے: فتح القدیر)

اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ امام عبد الرحمٰن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے "المستدرک" میں نقل فرماتے ہیں: اذا روینا عن النبی ﷺ فی الحلال والحرام والاحکام شددنا فی الاسانید وانتقدنا الرجال و اذا روینا فی فضائل الاعمال والثواب والعقاب والمباحات والدعوات تساھلنا فی الاسانید۔

"یعنی جب ہم حلال وحرام اور احکام سے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے (احادیث) روایت کرتے ہیں تو ہم اسانید میں شدت اختیار کرتے ہیں اور رجال کی چھان پھٹک کرتے ہیں، اور جب فضائل اعمال اور ثواب وعقاب اور مباحات اور دعاؤں کو بیان کرتے ہیں تو اسانید میں تساہل سے کام لیتے ہیں۔)

میت کی طرف سے قربانی کرنے کے قائلین کے پاس تو حدیث موجود ہے (اگر تسلیم کرلیا جائے کہ وہ ضعیف ہے جبکہ وہ ضعیف نہیں ہے جیسا کہ ماقبل میں ابھی واضح کیا گیا) لیکن میت کی طرف سے کی جانے والی قربانی کی مخالفت کرنے والے غیر مقلدین کے پاس صرف ان کا قیاس ہے، دلیل میں کسی قسم کی حدیث موجود نہیں ہے۔ امت ضعیف حدیث کو قیاس پر ترجیح دیتی ہے اور یہاں منکرین، غیر مقلدین قیاس کو حدیث پر ترجیح دے رہے ہیں۔

اعتراض سوم کا جواب: یہ ہے کہ

اولاً: یہ خود ساختہ تفسیر ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں۔

ثانیاً: قرآن کریم اور حدیث پاک کی دیگر آیات قرآنی اور احادیث مبارکہ کو نظر انداز کر دیا گیا ہے جو کہ اس موضوع (میت کو ایصال ثواب کرنا) پر مزید تفصیل سے روشنی ڈالتی ہیں۔

مثال کے طور پر معترضین کی یہ تفسیر درج ذیل قرآنی آیات اور احادیث کے صریحاً مخالف ہے:

۱) رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔ (سورۃ الحشر: آیت ۱۰)

[ترجمہ] "اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے اُن سب بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے

ایمان لائے ہیں اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے لیے کوئی بغض نہ رکھ، اے ہمارے رب! بیشک آپ بڑے مہربان رحم کرنے والے ہیں"۔

۲) رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ۔ (سورہ ابراہیم: آیت ۴۱)

[ترجمہ] "اے ہمارے رب! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور مومنوں کو جس دن حساب ہوگا"۔

فائدہ: قارئین کرام! پہلی آیت میں اپنے متوفی دینی بھائیوں کے لیے دعا کرنا سکھایا گیا ہے جبکہ دوسری آیت میں خود کے لیے اور والدین سمیت تمام مومنین (زندہ وفوت شدہ) کے لیے دعا کرنا سکھایا گیا ہے۔ جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انسان کے اپنے اعمال صالحہ کے علاوہ دوسروں کی دعا بھی نفع پہنچاتی ہے۔

پس سورۃ النجم کی ان قرآنی آیات کی تفسیر ہرگز ہرگز ان معنوں میں نہی کی جاسکتی کہ جس کی کوشش کھینچ تان کر معترضین کر رہے ہیں۔

ثالثاً: اس آیت "وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى" کا مقصد یہ ہے کہ ایمان کے بارے میں انسان کا اپنا عمل ہی مفید ہے، باپ کا ایمان کافر بیٹے، یا بیٹے کا ایمان کافر باپ کے لیے مفید نہیں، ان حضرات کی نگاہ احادیث پر ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت میں مرحوم کی طرف سے اس کے ولی کے روزہ رکھنے کا حکم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے، چنانچہ حدیث کے الفاظ ہیں: مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ۔ "یعنی جو شخص مرجائے اور اس کے ذمہ روزے ہوں تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھ دے"۔ (بخاری: کتاب الصوم "باب من مات وعلیہ صوم")

ایک حدیث میں ہے کہ: اقرؤوا یس علی موتاکم "یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنے مُردوں پر یٰسین پڑھو"۔ (سنن ابی داؤد)

ایک حدیث میں ہے کہ: اَنَّ رَجُلًا سَاَلَهٗ ﷺ فَقَالَ: كَانَ لِيْ اَبَوَانِ اَبَرُّهُمَا حَالَ حَيَاتِهِمَا

فَكَيْفَ لِي بِبِرِّهِمَا بَعْدَ مَوْتِهِمَا؟ فَقَالَ لَهُ ﷺ: اِنَّ مِنَ الْبِرِّ بَعْدَ الْمَوْتِ اَنْ تُصَلِّيَ لَهُمَا مَعَ صَلَاتِكَ، وَتَصُومَ لَهُمَا مَعَ صِيَامِكَ۔ (فتح القدیر: کتاب الحج "باب الحج عن الغیر")

[ترجمہ] "یعنی ایک شخص نے آپ ﷺ سے استفسار کیا کہ میں اپنے والدین کے ساتھ ان کی زندگی میں حسن سلوک کیا کرتا تھا اب کس طرح حسن سلوک کر سکتا ہوں؟ ارشاد فرمایا: مرنے کے بعد حسن سلوک یہ ہے کہ اپنی نماز کے ساتھ ساتھ ان دونوں کے لیے بھی نماز پڑھو اور اپنے روزہ کے ساتھ ساتھ اُن لوگوں کے لیے بھی روزہ رکھو"۔

مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر مظہری میں آیت: وَاَنْ لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى کی تفسیر میں اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے اور ایصالِ ثواب سے متعلق روایات کو جمع فرمایا ہے؛ چونکہ عبادات بدنیہ سے ایصالِ ثواب کے ثبوت پر بہ کثرت روایات منقول ہیں، اس لیے اکثر شوافع محققین نے بھی اس مسئلہ میں حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کی رائے کو قبول کیا ہے؛ غرض کہ عام طور پر اہلِ سنت و جماعت کے نزدیک دعا، بدنی عبادات، مالی عبادت، و مرکب بدنی و مالی عبادت سب سے ایصالِ ثواب درست ہے، خاتم الفقہاء علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: انسان کے لیے یہ درست ہے کہ اپنے عمل نماز یا روزہ یا صدقہ یا اس کے علاوہ کا ثواب دوسرے کے لیے کردے، اہلِ سنت و جماعت کا یہی مذہب ہے۔

مزید جواب: مولانا محمد نجیب صاحب قاسمی سنبھلی اپنی ایک تحریر میں اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہاں مراد یہ ہے کہ عمومی طور پر ہر شخص اپنے ہی عمل کی جزا یا سزا پائے گا لیکن باپ یا بیوی یا کسی قریبی رشتہ دار کے انتقال کے بعد اگر کوئی شخص ان کی نماز جنازہ پڑھتا ہے یا ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتا ہے یا ان کی طرف سے حج یا عمرہ بدل کرتا ہے یا قربانی کرتا ہے یا صدقہ کرتا ہے یا اللہ تعالیٰ کے پاک کلام کی تلاوت کرکے اس کا ثواب میت کو پہونچاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس عمل کو قبول

فرما کر میت کو اس کا ثواب عطا فرمائے گا ان شاء اللہ۔ کیونکہ اگر یہاں عموم مراد لیا جائے تو پھر ایصال ثواب، قربانی اور حج بدل وغیرہ کرنا سب ناجائز ہو جائیں گے، بلکہ دوسرے کے حق میں دعائے استغفار حتیٰ کہ نمازِ جنازہ بھی بے معنیٰ ہو جائے گی، کیونکہ یہ اعمال بھی اُس شخص کا اپنا عمل نہیں ہے جس کے حق میں دعا کی جارہی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات میں اس طرح کی متعدد مثالیں ملتی ہیں، جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے نماز فجر اور عصر کی پابندی کر لی تو وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ (بخاری۔ مسلم) اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم صرف ان دو وقت کی نماز کی پابندی کر لیں، باقی جو چاہیں کریں، ہمارا جنت میں داخلہ یقینی ہے۔ نہیں، ہرگز ایسا نہیں ہے، بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد ان دو نمازوں کی خاص اہمیت کو بتلانے کے لیے ہے کیونکہ جو ان دو نمازوں کی پابندی کرے گا وہ ضرور دیگر نمازوں کا اہتمام کرنے والا ہوگا، اور نمازوں کا واقعی اہتمام کرنے والا دیگر ارکان کی ادائے گی کرنے والا بھی ہوگا، ان شاء اللہ۔ اسی طرح اس حدیث میں ان تین اعمال کی خاص اہمیت بتلائی گئی ہے"۔

اعتراض چہارم کا جواب: یہ ہے کہ بخاری شریف کی مذکورہ حدیث کی آڑ لے کر میت کی طرف سے کی جانے والی قربانی کو منع کرنا غلط ہی نہیں بلکہ جہالت ہے۔ اس لیے کہ اس میں یہ کہیں نہیں لکھا؛ یا کہا گیا ہے کہ فوت شدہ افراد کی طرف سے قربانی نہیں کی جاسکتی۔

دوسری بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی طرف سے قربانی کے علاوہ اپنی امت کے (زندہ وفوت شدہ) افراد کی طرف سے قربانی کرنے کا ثبوت ہے جیسا کہ ماقبل میں احادیث نقل کی جاچکی ہیں۔

اور اُن احادیث میں یہ کہیں نہیں ہے کہ یہ قربانی آپ اپنی امت کے صرف زندہ افراد کی طرف سے کرتے تھے فوت شدہ کی طرف سے نہیں۔ اگر یہ قربانی صرف زندہ افراد کی طرف سے ہوتی اور فوت شدہ افراد کی طرف سے نہیں تو آپ اس کی تخصیص فرما دیتے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تخصیص نہ فرماتے ہوئے (حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں) "جمیعا" کہہ کر سبھی کو شامل کر دیا ہے۔

اور اس کے علاوہ اللہ کے رسول ﷺ سے حتی کہ کسی صحابی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے بھی یہ منقول نہیں ہے کہ قربانی صرف زندہ افراد کی طرف سے کی جاسکتی ہے فوت شدہ افراد کی طرف سے نہیں۔ اگر ہے تو پیش کیا جائے ورنہ اعتراض باطل ہے۔

میت کی طرف سے قربانی کے جواز پر علمائے امت کی شہادتیں:

امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ھذا دلیل علی انہ لو ضحی عمن مات جاز۔
(شرح الطیبی: ج ۴ ص ۱۳۰۴)

"یعنی یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کوئی شخص میت کی طرف سے قربانی کرے گا، تو ایسا کرنا جائز ہوگا"۔

سلطان المحدثین ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: یدل علی ان تضحیۃ تجوز عمن مات۔
"یعنی مردے کی جانب سے قربانی کرنے کے جواز پر دلالت کرتا ہے"۔
(مرقات المفاتیح: ج ۳ ص ۵۱۵)

اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: و تجوز الاضحیۃ عن المیت کما یجوز الحج عنہ والصدقۃ عنہ ویضحی عنہ فی البیت ولا یذبح عند القبر اضحیۃ ولا غیرھا۔
"یعنی جس طرح میت کی طرف سے حج اور صدقہ کرنا جائز ہے، اسی طرح اس کی طرف سے قربانی کرنا درست ہے۔ میت کی طرف سے قربانی گھر میں کی جائے گی۔ اس کی قبر پر نہ تو قربانی کا جانور ذبح کرنا جائز ہے اور نہ ہی کوئی اور جانور"۔ (مجموع الفتاوی: ج ۲۶ ص ۳۰۶)

میت کی طرف سے قربانی کرنے کا ثبوت غیر مقلدین کے گھر سے:

(۱) مشہور غیر مقلد عالم و مبلغ توصیف الرحمٰن زیدی اپنے سوال و جواب والی ایک ویڈیو میں کہتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے قربانی کی اور کہا یہ میری طرف سے اور میری امت کی طرف سے یا امت میں سے جن لوگوں نے قربانی نہ کی ان کی طرف سے۔ اور نبی کی امت میں سے بہت سے لوگ فوت بھی

ہو چکے تھے۔اس حدیث سے علماء استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کی طرف سے قربانی کی جا سکتی ہے۔دیکھیے: ویڈیو لنک

https://m.youtube.com/watch?v=LMIswhF3VJw

(۲) غیر مقلد عالم ابو عدنان محمد منیر قمر صاحب اپنی کتاب "مختصر مسائل و احکام حج و عمرہ اور قربانی و عیدین (قرآن کریم اور صحیح احادیث کی روشنی میں)" کے صفحہ ۴۸ پر لکھتے ہیں:

"فوت شدگان کی طرف سے قربانی دی جا سکتی ہے"۔

(۳) ایک اور غیر مقلد عالم ڈاکٹر طارق ہمایوں شیخ صاحب اپنی کتاب "عید الاضحی..." کے صفحہ ۴۲ پر دو حدیثیں نقل کر کے وضاحت کے تحت لکھتے ہیں: "لہٰذا میت کی طرف سے بھی قربانی کی جا سکتی ہے"۔

(۴) اور مشہور و معروف غیر مقلد عالم و پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی صاحب نے اپنی کتاب "مسائل قربانی"، میں میت کی طرف سے کی جانے والی قربانی کو نہ صرف ثابت کیا ہے بلکہ اس پر ہونے اعتراض کا جواب بھی دیا ہے۔(دیکھیں ص ۳۵ تا ۴۱)

(۵) اس کے علاوہ علمائے اہلحدیث (غیر مقلدین علماء) کی مشہور ویب سائٹ "محدث فتویٰ" میں کہا گیا ہے:

میت کی طرف سے قربانی کے بارے میں گزارش یہ ہے کہ میت نے اگر اپنے ثلث مال میں سے اس کی وصیت کی ہو یا اپنے وقف مال کے بارے میں یہ وصیت کی ہو کہ اس سے اس کی طرف سے قربانی کی جائے تو وارثوں کے لیے یہ واجب ہے کہ اس کی وصیت اور وقف کو اس کی خواہش کے مطابق عملی جامہ پہنائیں اور اگر وصیت و وقف کی صورت نہ ہو اور کوئی انسان اپنے ماں، باپ یا کسی اور کی طرف سے قربانی کرنا چاہے تو یہ ایک اچھا عمل ہے، اسے میت کی طرف سے صدقہ شمار کیا جائے گا اور اہل سنت و جماعت کے قول کے مطابق میت کی طرف سے صدقہ مشروع ہے۔(ملاحظہ ہو: فتویٰ

نمبر:۹۳۱۰) نیز (ملاحظہ ہو: فتویٰ نمبر: ۹۳۱۲)

الحاصل:

مرحومین کے لیے جس طرح ایصال ثواب کے لیے تلاوتِ قرآن، صدقہ وخیرات کر سکتے ہیں، اس طرح نفل قربانی بھی کر سکتے ہیں اور قربانی کے دنوں میں قربانی کے ذریعہ ایصال ثواب بہتر ہے۔

میت کی جانب سے کی گئی قربانی کے گوشت کا حکم:

محترم قارئین! اگر میت نے قربانی کرنے کی وصیت کی تھی تو اس کی وصیت والی قربانی کے گوشت کا حکم یہ ہے کہ اس کا سارا گوشت صدقہ کر دیا جائے۔ جیسا کہ فقہ حنفی کی مستند کتاب ''رد المحتار جلد ۹ صفحہ ۴۸۴'' میں تحریر ہے۔

اور اگر میت نے وصیت نہیں کی تھی بلکہ اس کی جانب سے بطور ایصال ثواب ایسے ہی قربانی کی گئی ہے تو اس کے گوشت کا حکم یہ ہے کہ خود کھائے اور دوسرے سبھی لوگوں کو کھلائے۔

چنانچہ حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث ہے: کان رسول اللہ ﷺ اذا ضحی اشتری کبشین سمینین اقرنین املحین. فاذا صلی وخطب اتی باحدھما، وھو فی مصلاہ فذبحہ. ثم قال: اللّٰھم ھذا عن امتی جمیعا من شھد لک بالتوحید وشھد لی بالبلاغ. ثم یؤتی بالآخر فیذبحہ، ثم یقول: اللّٰھم ھذا عن محمد وآل محمد. فیطعمھما جمیعا المساکین. ویأکل ھو واھلہ منھما۔ (مجمع الزوائد: ج ۴ ص ۲۲،۲۱ کتاب الاضاحی)

[ترجمہ] ''رسول اللہ ﷺ جب قربانی کرتے، دو فربہ سینگوں والے، چتکبرے مینڈھے خریدتے۔ پس جب آپ نماز اور خطبہ سے فارغ ہو جاتے تو عیدگاہ ہی میں ان دونوں میں سے ایک مینڈھے کو لایا جاتا، تو آپ اسے ذبح کرتے اور کہتے: اے اللہ! یہ میری امت کے ان سب لوگوں کی طرف سے ہے جنہوں نے آپ کی توحید کی گواہی دی اور میرے لیے (پیغام الٰہی) پہنچانے کی شہادت دی۔ پھر دوسرے کو لایا جاتا، اور آپ اسے ذبح کرتے اور کہتے: یا اللہ! یہ محمد (ﷺ) اور آل محمد (ﷺ) کی

طرف سے ہے۔ پھر آپ ان دونوں (مینڈھوں کے گوشت) میں سے مسکینوں کو کھلاتے، خود اس سے تناول فرماتے اور اپنے گھر والوں کو کھلاتے"۔

حافظ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اسے بزار نے روایت کیا ہے، احمد اور طبرانی نے بھی قریباً اسی طرح اسے روایت کیا ہے۔ اور احمد اور بزار کی سند حسن ہے"۔ (مجمع الزوائد: ج ۴ ص ۲۲ کتاب الاضاحی)

اس حدیث سے معلوم ہوگیا کہ میت کی بغیر وصیت والی قربانی کا گوشت کھانے اور کھلانے میں کچھ حرج نہیں ہے۔

اللہ پاک ہم سبھی کو صحیح سمجھ اور عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

صلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین۔ آمین یارب العٰلمین۔

نوٹ: قارئین کرام! مطالعہ کے دوران اس مضمون میں کوئی غلطی نظر آئے یا اس عنوان پر آپ کے پاس مزید دلائل و براہین ہوں تو ضرور مطلع فرمائیں۔ ادارہ آپ کا مشکور ہوگا۔

رابطہ بذریعہ واٹس ایپ: 9322471046